# مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک مطالعہ

رضیہ مجید، لیکچرر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور


## Abstract

In this article, the life and revolutionary thought of Maulana Ubaid Ullah Sindhi has been discussed in the perspective of development of Muslim thought in the Sub-Continent. Maulana Sindhi was one who embraced Islam rationally and besides it, was impressed by the revolutionary economic aspect of Marxism.


۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء میں سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہونے والا لڑکا جو مستقبل میں ایک انقلابی مسلم مفکر کے طور پر ابھرنے والا تھا، ۱۸۸۴ء میں ایک نو مسلم مولانا عبیداللہ سابق اننت رام کی ''تحفۃ الہند''[۱] کے مطالعے سے اسلام سے متاثر ہوا۔ بعد ازاں سید اسمٰعیل شہیدؒ کی ''تقویۃ الایمان''[۲] کے مطالعے سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور حضرت سلمان فارسیؓ کے اتباع میں عبیداللہ بن اسلام نام رکھا۔[۳] ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء میں خدمت اسلام کا جذبہ لیے گھر سے نکل پڑا۔ عزیز و اقارب سے چھپتا چھپاتا سندھ پہنچا، جہاں سید العارفین حافظ محمد صدیق بھرچونڈویؒ والے نے اسے اپنا روحانی بیٹا مان لیا، یوں اس کے نام کے ساتھ سندھی کا اضافہ ہوا۔[۴] خوش بختی نے مولانا عبدالقادرؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا سید احمد دہلویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھنے کا موقع دیا اور یہ لڑکا شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے عزیز شاگردوں میں شمار ہوا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے عقل و خرد کی راہ سے گزر کر اپنی بصیرت سے اسلام قبول کیا۔ ان کا اسلام سنی سنائی باتوں کی بجائے مشاہدہ حق پر مبنی تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد زندگی کی نئی راہوں سے گزرتے ہوئے مولانا سندھیؒ نے اپنی تمام تر فکری اور نظری صلاحیتوں کو عصری مسائل کی فہم میں لگا دیا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیشِ نظر احیائے اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا۔ یوں زندگی کے ہر لمحے میں اس کی تمام تر کاوشیں اسی مقصد کے حصول کے لیے وقف رہیں۔

شوقِ احیائے اسلام لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الہندؒ کے حکم پر مولانا سیف الرحمٰن اور مولانا عبداللہ انصاری کے ہمراہ سفرِ کابل کے لیے روانہ ہوئے۔ بعد از سفر در پیش صورت حالات نے مولانا سندھیؒ کے سفرِ کابل (اگست ۱۹۱۵ء) کو ہی مولانا کی جلا وطنی کی تاریخ بنا ڈالا۔[۵] سات سالہ قیامِ افغانستان کے دوران مختلف

سیاسی سرگرمیوں مشمول تحریک ریشمی رومال نے برطانوی استعمار کے ہوش اڑا دیے اور ہندوستان سے انگلستان تک حکومت کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔۶ مولانا سندھیؒ کا ہندوستان لوٹنا اب محال تھا۔ ادھر مولانا کے روابط روسی اشتراکیوں سے مستحکم ہو رہے تھے۔ ۷ بلآخر جب انھیں احساس ہوا کہ افغانستان میں قیام مزید سودمند نہیں رہا تو براستہ روس ترکی اور حجاز جانے کا فیصلہ کیا۔۸ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان روس جانے والے ہندوستانی، لینن اور دوسرے اشتراکی رہنماؤں سے مل کر اشتراکی نظریات سے متاثر ہوتے رہے۔ جوزف اسٹالن اور دوسرے روسی انقلابی رہنماؤں کو روس کے توسیع پسندانہ مقاصد کے لیے مسلمانوں کی اہمیت کا احساس تھا۔۹ حکومت برطانیہ کو بھی کابل کی دوسری طرف روس سے پیدا ہونے والے اشتراکی انقلاب سے ہندوستان کے لیے خطرات محسوس ہو رہے تھے۔۱۰ ادھر ہندوستانیوں کے لیے روسی انقلاب میں کشش تھی اور یہاں کے کچھ لیڈر آزادیِ ہند کے لیے اشتراکیت کے ممکنہ مفید پہلوؤں پر غور کر رہے تھے ۔خصوصاً ہندوستانی مسلم لیڈر جن میں مولوی برکت اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ سرِ فہرست تھے، اشتراکیت کے مسلم اقوام پر اثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر یورپ میں موجود آزادی پسند ہندوستانی انقلابی نوجوان برلن میں جمع ہو گئے اور جرمن دفترِ خارجہ کے تحت انڈین نیشنل پارٹی قائم کی۔ اس پارٹی کے زیرِ اہتمام راجہ مہندر پرتاب اور ان کے رفقا کو جن میں مولوی برکت اللہ بھی شامل تھے، ترکی اور جرمن افسروں کے ساتھ ایک خاص مشن پر کابل بھیجا گیا۔ اگرچہ مولانا سندھیؒ اور اس مشن کے نقطہ نظر میں اختلاف تھا مگر کچھ معاملات پر اتفاق رائے سے مل کر کام کرنے کا راستہ نکل آیا۔۱۱ لہٰذا مولانا سندھیؒ کی تجویز پر راجہ مہندر پرتاب اور مولوی برکت اللہ نے حکومتِ موقتہ ہند (ہندوستانی عبوری حکومت) افغانستان کی بنیاد ڈالی ۔۱۲ حکومتِ موقتہ ہند، افغانستان ابتدا میں تین ممبران ،راجہ مہندر پرتاب، مولوی برکت اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ پر مشتمل تھی۔ اس عبوری حکومت نے ایک وفد روسی گورنمنٹ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔۱۳

۱۹۲۳ء میں مولانا سندھیؒ نے سفر روس اختیار کیا۔ اپنے سات ماہ پر محیط قیام روس کے دوران روسی حکومت اور اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے اشتراکیت کا مطالعہ کرتے رہے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھا۔ مولانا سندھیؒ اُس وقت افغانستان سے روس پہنچے جب لینن وہاں اشتراکیت کی بنادیں استوار کر چکا تھا اور اشتراکی نظام منظّم طریقے سے اپنا کام کر رہا تھا۔ مولانا کی لینن سے ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ وہ اتنا بیمار تھا کہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔۱۴ البتہ روس کی دوسری اہم شخصیات سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ روسی وزیر خارجہ چیچرن (Chechiren) سے مولانا سندھیؒ کی چار ملاقاتیں ہوئیں اور چیچرن کے توسط سے مولانا حکومت روس سے ہندوستانی قومی تحریک کے لیے ایک کروڑ روپے کی مالی امداد حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہے۔۱۵ پھر مولانا اپنی تحریروں میں بارہا اشتراکیت اور اسلام میں مماثلتیں تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔۱۶ انھی وجوہ کی بنا پر مولانا سندھیؒ پر اشتراکی ہونے کا الزام بھی لگا۔

اشتراکیت کے بعض بنیادی دعووں کی اسلام کے ساتھ مماثلت اور روس کی اسلام دشمن سرمایہ دار مغربی استعماری قوتوں کے خلاف بغاوت کی وجہ سے بہت سے مسلم دانش وروں نے اشتراکیت کا خیر مقدم کیا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر علامہ اقبال نے ''روس کی ضرب لا کو خوش آمدید کہ کر اسے الاّ کا قدمِ اوّل قرار دیا''۱۷ روس کے اشتراکی

انقلاب نے تیسری دنیا کو متاثر کیا اوران کی جدوجہد آزادی کو تیز کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مناسب جغرافیائی اور تاریخی وجوہ کی بنا پر اہلِ ہند پر اس کے اثرات زیادہ رہے۔ سیاسی طور پر باشعور اور ترقی پسند طبقات میں ان اثرات کو زیادہ پزیرائی حاصل ہوئی۔ اہلِ دیوبند بھی اس سے متاثر ہوئے۔ دیوبند میں ان اثرات کی واضح ترین تجسیم مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی شخصیت میں ہوئی۔[۱۸]

مولانا عبیداللہ سندھیؒ جرمنی اور اٹلی کے فاشسٹ نظام اور امریکہ اور برطانیہ کے سرمایہ دارانہ جمہوری نظام سے کمیونزم کو بہتر سمجھتے تھے۔[۱۹] اس طرح مولانا پر کارل مارکس کے اثرات کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مگر مولانا سندھیؒ کی تحریروں کے غائر مطالعے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ گو مولانا نے اشتراکیت کا وسیع مطالعہ کیا مگر اشتراکیت کی لادینیت کے قائل نہ ہو سکے۔

کمیونسٹوں نے مذہب کے بارے میں کارل مارکس کے درج ذیل مقولے کو ماسکو کے سرخ میدان میں ایک نمایاں جگہ پر کندہ کرا دیا ہے:

"Religion is the opium of the people."[۲۰]

(مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے۔)

غلاموں کو یہ باور کرایا جاتا کہ ساری ذلتیں من جانب اللہ ہیں۔ اس آڑ میں مطلق العنان بادشاہ اور پادری اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے رہے۔ نچلے طبقوں کے لیے عیسائیت کا اخلاقی اصول رہا ''دوسرا گال بھی آگے کر دو'' مگر یہ اصول ہٹلر اور چرچل جیسوں کے لیے ''گولی آگے کر دو میں تبدیل ہو گیا۔'' اسی وجہ سے مارکس انقلاب سے قبل کی مذہبی اخلاقیات کو انسان دشمن قرار دیتا ہے۔[۲۱] مارکس کے نزدیک مذہب معاشرت کی پیداوار ہے۔[۲۲] وہ مذہب کے برعکس اقتصادی نا آسودگی کو زندگی کا حقیقی مسئلہ سمجھتا تھا۔[۲۳] لہٰذا اشتراکیت پر کیے گئے مذہبی، فلسفیانہ اور نظریاتی اعتراضات کو سنجیدگی سے نہ لیا جاتا۔[۲۴] مگر مولانا سندھیؒ کے خیال میں قرآنی تعلیمات اور سیاست میں ناگزیر اضافت موجود ہے۔[۲۵] قیامِ روس کے دوران مولانا سندھیؒ کا کمیونزم سے متاثر ہونا اور مختلف مجالس میں سوشلزم کے اچھے پہلوؤں کو اپنانے کی باتیں کرنا درست ہے مگر اشتراکیت کے مطالعے سے اس کے بہت سے کمزور پہلو مولانا پر بے نقاب ہو چکے تھے۔ اس کے برعکس اسلام کا متوازن اور معقول صراطِ مستقیم ان کے سامنے تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کے پیشِ نظر انقلاب کی آرزو لیے ہوئے مولانا سندھیؒ اشتراکیت کی بنیادی روح سے باخبر تھے۔ وہ اس کے مضمرات کی روک تھام اسلام کی انقلابی روح کو بیدار کر کے کرنا چاہتے تھے۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

> ''سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا، اس لیے اس مشکل کا علاج برابر سوچتا رہا ہوں۔''[۲۶]

لہٰذا دینی فلسفہ انقلاب کے اس داعی نے حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تعلیمات میں معا

شی نظریے کی اسلامی روح کو پایا۔ شاہ صاحبؒ نے ''حجۃ اللہ بالغہ'' میں ان معاشی مسائل کا حل پیش کیا ہے جو بعد ازاں کارل مارکس کے زیرِ بحث رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ ہے کہ'' اجتماعی معاشیات کا اجتماعی اخلاق پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اجتماعی اخلاق کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ اجتماع انسانی عادلانہ نظامِ معاشیات قائم کرے'' ۲۷ دراصل شاہ ولی اللہؒ نے جب سیاست کا اقتصادی نظریہ پیش کیا تو یہ فلسفیانہ ژرف نگاہی رکھنے والے نابغہ اپنے زمانے سے بہت آگے کی بات کر گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اقتصادی حوالے سے پیدا کردہ مسائل کی طرف انسانوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ یہاں تک کہ معاشی نظریے کی حامل بیسویں صدی میں حالات و واقعات نے انسان کو ''معاشی الذہن'' بنا دیا۔ جبکہ تبدیلی کی منظم اور جارحانہ خواہش انقلاب کا پیش خیمہ بنی۔ ۲۸ مولانا سندھیؒ اس امر کا صحیح ادراک رکھتے تھے کہ حکیم الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاشی نظریات کارل مارکس کے معاشی نظریات سے زیادہ وقیع تھے۔ مگر اشتراکیت کو جو ایک عالم گیر تحریک کی صورت میں ابھر رہی تھی، کلی طور پر نظرانداز کرنا بھی صریح غلطی تھی۔ مگر مولانا سندھیؒ کارل مارکس کے پیرو نہ تھے۔ وہ اس امر کا صحیح ادراک رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

> ''حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے چوتھے اصول کہ ''کسی سوسائٹی میں اس وقت تک عدل و انصاف پیدا نہیں ہو سکتا جب تک رزق کمانے والی جماعتوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے احترازِ کلی نہ برتا جائے'' کو ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکے جب تک ہم نے یورپ جا کر سوشلزم کا مطالعہ نہیں کیا۔ جن رفقا نے ہمیں اس مطالعے میں مدد دی۔ وہ کارل مارکس کے متبع تھے۔ اس کے احترام میں ہمارے یہ رفقا اس قدر مبالغہ کرتے جس سے ہمیں تکلیف ہوتی۔ اس احترام اور فضیلت کا مدار وہ کارل مارکس کے اقتصادی نظام کو بتاتے ہیں۔ جب اس قسم کے انقلابی پروگرام کے تمام حصے ہم نے حکیم الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف میں نہایت شرح و بسط سے پائے۔ جو کارل مارکس سے بہت پہلے گزرے۔ کیونکہ شاہ ولی اللہؒ ۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے اور کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔'' ۲۹

مولانا سندھیؒ نہیں چاہتے تھے کہ ''ہندوستان نے انقلاب عظیم فرانس سے چشم پوشی کر کے اپنی عظمت کو خاک میں ملا لیا ہے۔ اب اس عالم گیر اہمیت رکھنے والے واقعہ سے اغماض کر کے...... اپنی موت کے فتوے پر دستخط کر دے۔'' ۳۰ گویا اشتراکیت کا مطالعہ بھی احیائے اسلام کی کاوش کا حصہ تھا۔ ظفر حسن ایبک اپنی آپ بیتی ''خاطرات'' میں مولانا سندھیؒ کے ساتھ قیامِ روس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''......قبلہ مولانا نے مجھے حکم دیا کہ میں یونیورسٹی میں داخل ہو جاؤں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ میرے ذریعے کمیونسٹوں کے اصولِ تعلیم اور کمیونزم کے بنیادی عقائد کا پتہ لگائیں۔ تاکہ ہندوستان میں ایک ایسا نظام قائم کر سکیں جو کمیونزم کا توڑ ہو اور ہندوستان کے عوام اس نظام سے ایسے خوش حال بنیں کہ کمیونزم کے پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں اور اس کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ مقصد بھی تھا کہ کمیونزم جو مذہب کا دشمن ہے،

اس سے ہندوستان میں اپنے مذہب کو بچانے کے لیے کچھ تدبیریں سوچیں۔ نیز اس بارے میں بھی واقفیت بڑھائیں کہ کمیونسٹوں سے انگریزی سامراج کونیست و نابود کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے مدد لینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔''۴۱

مزید لکھتے ہیں:

''میں ہر روز شام کے وقت یونیورسٹی کا لیکچر ختم ہونے پر ہوٹل لکس میں جا کر اس روز کے پڑھے ہوئے سبقوں کا خلاصہ مولانا صاحب کو سنایا کرتا تھا۔ جس سے ان کو کمیونسٹ نظریوں، کمیونسٹ اصولِ حکومت، مزدوروں کی تحریک(Labour Movement) اور کمیونسٹ انٹرنیشنل یعنی تھرڈ انٹرنیشنل جس کو مختصراً کومینٹرن(Comintern) کہا جاتا تھا، کے بارے میں کافی سے زیادہ معلومات ہو گئیں تھیں۔ یہ معلومات ان کے لیے دو سال بعد جب انھوں نے استنبول میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لیے پروگرام بنایا اور آزاد ہندوستانی فیڈرل گورنمنٹ کا خاکہ کھینچ کر اس کو ایک رسالہ۴۲ کی شکل میں استنبول میں سنہ۱۹۲۴ء میں چھاپ کر خفیہ طور پر ہندوستان بھیجا بہت مفید ثابت ہوئیں۔''۴۳

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو ماسکو میں انقلابِ روس کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے رفیقوں کی مدد سے اسے خوب سمجھنے کا موقع ملا۔ روس میں حکومت اور کاشتکاروں کی کشمکش کے برے نتائج ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ مذہب سے علیحدگی، روس میں تشدّد کا انتہائی درجہ اختیار کر چکی تھی۔ لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ اگرچہ مولانا کے روس پہنچنے تک ان مظالم میں قدرے ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ مگر حالات پوری طرح حکومت کے قابو میں نہیں تھے۔ دین کو سیاست سے جدا کر کے چنگیزی کا مظاہرہ کرنے والے لینن اور اسٹالن کی مثالیں ان کے سامنے تھیں۔ مولانا سندھیؒ نے جب۱۹۲۴ء میں استنبول سے سرور اجیہ پروگرام جاری کیا تو اس میں لکھا کہ:

''...... ہم اپنے ملک کے موجودہ نظامِ سرمایہ داری کو توڑ کر ایسے نظام کی بنیاد ڈالتے ہیں جو طبقہ محنت کش یعنی ملک کی اکثریت کی فلاح کا ضامن ہو اور اسی محنت کش طبقہ کے زیرِ اقتدار رہے۔ مروجہ نظامِ سرمایہ داری کو ہم رد کرتے ہیں اور اس کے بجائے کوئی ایسا نظام قبول نہیں کرتے، جس میں مذہب کے لیے بالکل گنجائش نہ ہو اور وہ چھوٹی انفرادی ملکیت کی اجازت نہ دیتا ہو۔ کیونکہ ہمارے ملک کی بہتر (۷۲) فی صد آبادی پرانے طریقہ کاشتکاری سے اوقات بسر کر رہی ہے۔ عوام میں مذہبی رسوم ان کی معاشرت کا جزو بن چکی ہیں۔ اگر ان امور کا خیال نہ کر کے کوئی پروگرام بنایا جائے تو تحریکِ آزادی بڑی دور پیچھے جا پڑے گی۔''۴۴

مولانا سندھیؒ کے نزدیک یورپ کا انقلاب مادی انقلاب ہے۔ اہلِ یورپ کے نزدیک مادہ ہی سب کچھ ہے مگر آگے چل کر مادی تصوّر کی انتہا کے ردِ عمل کے طور پر اہلِ یورپ بھی روحانیت کی تلاش میں سرگرداں ہوں گے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ:

''میں چاہتا ہوں کہ یورپ کی مادی ترقی کو تسلیم کرلیا جائے۔۔۔ بے شک سائنس نے مادی زندگی میں جو انکشافات کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں۔لیکن زندگی صرف مادہ تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ مادہ کسی اور وجود کا پرتو ہے۔۔۔ زندگی کا مادی تصوّر حیات اس لحاظ سے ناقص ہے کہ وہ زندگی کے صرف ایک پہلو کی رونمائی کرتا ہے۔لیکن زندگی کا صحیح اور مکمل تصوّر ''آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ'' ہے اور یہی تصوّر ہے، جو زندگی کی ساری مادی اور ماورائے مادی کائنات پر حاوی ہوسکتا ہے۔''۳۵

اہلِ مغرب کے دوسرے سیاسی نظاموں اور کمیونزم سب میں لادینیت در آئی تھی۔ جہاں کہیں مذہب تھا وہ انسان کا انفرادی مسئلہ بن گیا تھا۔مگر دیو بند کی تعلیم، یورپ کی سیاسیات کے مطالعے اور شاہ ولی اللہؒ کی فکر نے مولانا سندھیؒ کو تاریخ کے واقعات اور حوادث کو اجتماعی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی بنا دیا تھا جبکہ مولانا اجتماعت کے لیے لادینیت کو ضروری خیال نہیں کرتے۔۳۶ لہٰذا اسلام میں تمام مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ البتہ مولانا فکرِ اسلامی کے جمود سے متفکر تھے اور اسلام کے ایک نئے ڈھانچے کے متمنی تھے۔مولانا 'سرگذشت کابل' میں رقم طراز ہیں:

''میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے۔ بے شک اسلام پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار پھر ابھرے گا۔لیکن خارج میں اس کا ڈھانچہ وہ نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔۔۔ اسلام کو ایک نیا ڈھانچہ بنانا ہوگا اور مسلمان اسے جس قدر جلد بنالیں بہتر ہوگا۔''۳۷

ان مقاصد کے حصول کے لیے ہمارے روشن خیال ممدوح نے شاہ ولی اللہؒ کے فکر سے کچھ نتائج اخذ کیے ہیں۔لکھتے ہیں:

''اب جوں جوں زمانہ گزرے گا اور نئے نئے حالات پیش آئیں گے تو مسلمانوں کی اس جماعت کا جو ''اتباع بالاحسان'' پر عامل ہوگی اور قرآن کے اساسی قانون کو نافذ اور رائج کرنا چاہے گی، فرض ہوگا کہ وہ نئے زمانے کے تغیرات پر بحث کرے۔اور جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اوّلین نے قرآن کے اساسی قانون سے استنباط کرکے اپنے لیے احکام اور قواعد بنائے تھے۔اس طرح ''اتباع بالاحسان'' پر عمل کرنے والی یہ جماعت اپنے لیے تفصیلی احکام کا استخراج کرے۔یہ اس دور کا اجماع ہوگا۔''۳۸

الغرض مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو یورپین طریقہ انقلاب پر ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی دعوتِ انقلاب کو منظّم کرنے کا خیال آیا۔مولانا نے یورپ کے دوسرے سیاسی نظاموں کے ساتھ اشتراکیت کا بھی وسعتِ نظر سے مطالعہ کیا لیکن اسلامی فکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔اشتراکیت ایک عالم گیر اور بین الاقوامی تحریک ہونے کے سبب مقبولیت حاصل کررہی تھی اور اسلام کی طرح اس کا اصل اصول بھی مساوات اور برابری تھا۔لہٰذا اس طرف مولانا سندھیؒ کی توجہ مبذول ہونا ایک فطری امر ہے۔ بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ انقلابِ روس کی لا

دینیت کے مقابلے میں مولانا کی انقلابی تحریک حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا عین نچوڑ ہے۔ مولانا صرف انڈسٹری ازم اور ملٹری ازم یورپ کا قبول کرتے تھے جبکہ لبرل ازم اور سوشلزم میں اپنے اساتذہ خصوصاً شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کو ہی اوّلیت دیتے تھے جو فلسفہ اور اکنامکس میں بہت عالی رتبہ ہیں۔ مولانا کے نزدیک اشتراکیت کا انسان کو محض معاشی حیوان جان کر اس کی خارجی زندگی کو منظّم کر دینا ہی، اس تحریک کے ادھورے پن کی علامت ہے۔ معنوی زندگی کو نظر انداز کرنے کی اس روش کا تجزیاتی مطالعہ، مولانا سندھیؒ کے دل و دماغ میں حبِ دینِ کامل کو راسخ کر گیا۔ مولانا خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اس مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ رکھنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا۔''۳۹

## حواشی:

۱۔ 'تحفۃ الہند' مولانا عبید اللہؒ (سابق انت رام) نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد تحریر کی۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں اسلام اور ہندوازم کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ ہنود کے مذہبِ باطلہ سے بخوبی آگاہ ہونے کی وجہ سے، کفر و بت پرستی کے تمام اوہام کا پردہ فاش کر کے اسلام کی حقانیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے۔

۲۔ 'تقویۃ الایمان' مصنفہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ، جو شاہ عبدالغنی کے اکلوتے فرزند، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے بھتیجے تھے۔ 'تقویۃ الایمان' پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ(۲۷۔۱۸۲۶ء) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ بار بار چھپنے والی یہ کتاب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بلا امتیاز متاثر کرتی رہی۔ کتاب کا بنیادی موضوع توحید ہے جو دین کا اساسی عقیدہ ہے۔ مصنف نے کتاب و سنّت کے حوالے استعمال کرتے ہوئے آسان فہم اسلوب میں توحید کو نقصان پہنچانے والی غیر مشروح رسوم کو بے نقاب کر دیا ہے جو اس وقت کے اسلامی معاشرے میں رواج پا گئی تھیں۔ یوں یہ کتاب اثباتِ توحید اور تغلیط و تردیدِ شرک کے ساتھ ساتھ اُس معاشرے کی علمی، عملی اور ثقافتی بے اعتدالیوں کا مستند حوالہ بن گئی ہے۔

۳۔ لغاری، عبداللہ، مولانا، مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل، اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۰ء، ص:۵

۴۔ ایضاً، ص:۶

۵۔ ایضاً، ص:۱۲

۶۔ شاہ جہاں پوری، ابو سلمان، ڈاکٹر، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی۔ حیات و خدمات، لاہور: دارالکتاب، اشاعت اوّل اگست ۲۰۰۷ء، ص:۱۱

۷۔ عقیل، معین الدین: جہات جہدآزادی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۷ مارچ ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۹

۸۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، کابل میں سات سال، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۵۵ء، ص:۴۶

۹۔ عقیل، معین الدین، جہات جہدآزادی، ص:۱۰۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰۵

۱۱۔ لغاری، عبداللہ، مولانا، سرگذشت کابل، ص:۶۰

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۱۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۲۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲

۱۵۔ ایبک، ظفرحسن، خاطرات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص:۲۶۲

۱۶۔ اکبرآبادی، سعید احمد، مولانا، مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، جنوری ۱۹۴۶ء، ص:۲۴۹

۱۷۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، (دیباچہ) نیا سامراج از ہمایوں ادیب، لاہور: مکتبہ افکارنو، طبع اوّل ستمبر ۱۹۷۳ء، ص:۸

۱۸۔ جاوید، قاضی، سرسید سے اقبال تک، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء، ص:۱۴۸

۱۹۔ عبدالرحمٰن، منشی، معماران پاکستان، لاہور: شیخ اکیڈمی، بارسوم ۱۹۸۳ء، ص:۲۸۳

۲۰۔ ایبک، ظفرحسن، خاطرات، ص:۲۴۲

۲۱۔ انور، راجہ، مارکسی اخلاقیات، لاہور: کلاسیک، س۔ن، ص:۶۵

۲۲۔ Marx, Karl : Capital (Vol.1), Moscow, Progress Publisher, 1967, p.79.

۲۳۔ Ollman, Bertell : Alienation, Marx's Conception of Man in Capitalist Society, Cambridge, University Press, 1976, p.243.

۲۴۔ Marx and Engels : Basic Writings in Politics and Philosophy, New York, Collins, 1969, p.176.

۲۵۔ سرور، محمد، پروفیسر، (مرتب) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص:۶۴

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۱۱

۲۷۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اوران کا فلسفہ معاشیات، از عالم آفاقی (علیگ) ماہنامہ تہذیب الاخلاق، لاہور: جلد ا،

شمارہ ۶، مارچ ۱۹۶۲ء، ص:۵۴

۲۸۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، (دیباچہ) نیا سامراج، ص: ۹

۲۹۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۴۴ء، ص:۶۲

۳۰۔ سندھی، ابوسلمان، ڈاکٹر، مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلابی منصوبے، لاہور: المحمود اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ص:۵۳ (ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے درج بالا کتاب پر اپنا نام 'ڈاکٹر ابوسلمان سندھی' لکھا ہے، لہٰذا تحقیق کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حواشی میں تحریر کردہ نام ہی شامل کیا گیا ہے۔)

۳۱۔ ایبک، ظفر حسن، خاطرات، ص: ۲۳۷

۳۲۔ اس منصوبے کی تیاری میں ظفر حسن ایبک بھی شریک تھے۔ سوراجیہ پروگرام پر مبنی اس رسالے کی بہت سی کاپیاں بذریعہ ڈاک ہندوستان کے نامور رہنماؤں کو ارسال کی گئیں مگر حکومت برطانیہ نے اسے ضبط کر لیا۔

۳۳۔ ایبک، ظفر حسن، خاطرات، ص: ۲۴۳، ۲۴۴

۳۴۔ سندھی، ابوسلمان، ڈاکٹر، مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلابی منصوبے، ص:۵۱

۳۵۔ سرور، محمد، ڈاکٹر، مولانا عبیداللہ سندھی، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص:۷۰

۳۶۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص:۴۸

۳۷۔ لغاری، عبداللہ، مولانا، سرگذشت کابل، ص: ۱۶، ۱۷

۳۸۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص: ۹۱

۳۹۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، ذاتی ڈائری، لاہور: ادبستان، بار اوّل اکتوبر ۱۹۴۶ء، ص: ۲۲